

رسائی سے باخبر ہے۔ ان کے راز تیرے سامنے آشکارا اور ان کے دل تیرے آگے فریادی ہیں۔ اگر تنہائی سے ان کا جی گھبراتا ہے تو تیرا ذکر ان کا دل بہلاتا ہے، اگر مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں تو وہ تیرے دامن میں پناہ لینے کیلئے ماتحتی ہوتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ سب چیزوں کی باگ ڈور تیرے ہاتھ میں ہے اور ان کے نفاذ پذیر ہونے کی جگہیں تیرے ہی فیصلوں سے وابستہ ہیں۔

خدایا! اگر میں سوال کرنے سے عاجز رہوں یا اپنے مقصود پر نظر نہ ڈال سکوں تو تُو میری مصلحتوں کی طرف رہنمائی فرما اور میرے دل کو (صلاح و بہبودی کی) صحیح منزل پر پہنچا۔ یہ چیز تیری رہنمائیوں اور حاجت روائیوں کو دیکھتے ہوئے کوئی نرا لیا نہیں۔

خدایا! میرا معاملہ اپنے عفو و بخشش سے طے کر، نہ اپنے عدل و انصاف کے معیار سے۔

--☆☆--

خطبہ (۲۲۵)

فلاں شخص ^ط کی کارکردگیوں کی جزا اللہ دے! انہوں نے ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا، مرض کا چارہ کیا، فتنہ و فساد کو پیچھے چھوڑ گئے، سنت کو قائم کیا، صاف ستھرے دامن اور کم عیبوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے، (دنیا کی) بھلائوں کو پالیا اور اُس کی شرانگیزیوں سے آگے بڑھ گئے۔ اللہ کی اطاعت بھی کی اور اس کا پورا پورا خوف بھی کھایا۔ خود چلے گئے اور لوگوں کو ایسے متفرق راستوں میں چھوڑ گئے جن میں گم کردہ راہ راستہ نہیں پاسکتا اور ہدایت یافتہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔

--☆☆--

فَأَسْرَارُهُمْ لَكَ مَكشُوفَةٌ، وَ قُلُوبُهُمْ إِلَيْكَ مَلهُوفَةٌ، إِنَّ أَوْحَاشَتَهُمُ الْغُرْبَةُ أَنَسَهُمْ ذِكْرَكَ، وَ إِنَّ صَبَبْتَ عَلَيْهِمُ الْمَصَائِبَ لَجَوْوُوا إِلَى الْإِسْتِجَارَةِ بِكَ، عَلِمًا بِأَنَّ أَرْمَةَ الْأُمُورِ بِيَدِكَ، وَ مَصَادِرَهَا عَنْ قَضَائِكَ.

اللَّهُمَّ إِنَّ فَهْمْتُ عَنْ مَسْئَلَتِي، أَوْ عَمِيْتُ عَنْ طَلِبَتِي، فَذَلَّلْنِي عَلَى مَصَالِحِي، وَ خُذْ بِقَلْبِي إِلَى مَرَادِي، فَلَيْسَ ذَلِكَ بِنُكْرٍ مِّنْ هِدَايَاتِكَ، وَ لَا يَبْدِعُ مِّنْ كَفَايَاتِكَ.

اللَّهُمَّ احْمِلْنِي عَلَى عَفْوِكَ، وَ لَا تَحْمِلْنِي عَلَى عَدْلِكَ.

-----☆☆-----

(۲۲۵) وَمِنْ كَلَامِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لِلَّهِ بِلَاءٌ فَلَانٍ، فَقَدْ قَوْمَ الْأَوْدِ، وَ دَاوَى الْعَمَدِ، خَلَّفَ الْفِتْنَةَ وَ أَقَامَ السُّنَّةَ! ذَهَبَ نَقِيَّ الثُّوبِ، قَلِيلُ الْعَيْبِ. أَصَابَ خَيْرَهَا، وَ سَبَقَ شَرَّهَا، أَدَى إِلَى اللَّهِ طَاعَتَهُ، وَ اتَّقَاهُ بِحَقِّهِ، رَحَلَ وَ تَرَكَهُمْ فِي طُرُقٍ مَّتَشَعَّبَةٍ، لَا يَهْتَدِي فِيهَا الضَّالُّ، وَ لَا يَسْتَبِقُنُ الْمُهْتَدِي.

-----☆☆-----

^ط ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ لفظ "فلاں" کنایہ ہے حضرت عمر سے اور یہ کلمات انہی کی مدح و توصیف میں کہے گئے ہیں، جیسا کہ سید رضی کے تحریر کردہ نسخہ نہج البلاغہ میں لفظ "فلاں" کے نیچے انہی کے ہاتھ لکھا ہوا لفظ عمر موجود تھا۔

یہ ہے ابن ابی الحدید کا دعویٰ، مگر دیکھنا یہ ہے کہ اگر سید رضیؒ نے بطور تشریح حضرت عمر کا نام لکھا ہوتا تو جس طرح ان کی دوسری تشریحات موجود ہیں اس تشریح کو بھی موجود ہونا چاہئے تھا اور ان نسخوں میں بھی اس کا وجود ہونا چاہیے تھا کہ جو ان کے نسخہ سے نقل ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ اب بھی موصل میں مستصم باللہ کے دور کے شہرہ آفاق خطاط یا قوت المستعصمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا قدیم ترین نسخہ ابلاغہ کا نسخہ موجود ہے، مگر سید رضیؒ کی اس تشریح کی نشاندہی کسی ایک نے بھی نہیں کی۔ اور اگر ابن ابی الحدید کی اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اسے زائد سے زائد جناب رضیؒ کی ذاتی رائے کہا جاسکتا ہے جسے کسی قوی دلیل کی موجودگی میں بطور مؤید تو پیش کیا جاسکتا ہے مگر مستقلاً اس شخصی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔

حیرت ہے کہ ابن ابی الحدید سا تو ہیں بجزی میں سید رضیؒ کے ڈھائی سو برس بعد یہ افادہ فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر مراد ہیں اور یہ کہ خود سید رضیؒ نے اس کی تصریح کر دی تھی، چنانچہ ان کے تتبع میں بعض دوسرے شارحین نے بھی یہی لکھنا شروع کر دیا، لیکن سید رضیؒ کے معاصرین میں سے جن لوگوں نے بھی نسخہ ابلاغہ کے متعلق کچھ لکھا ہے ان کی تحریرات میں اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ حالانکہ بحیثیت معاصر ہونے کے سید رضیؒ کی تحریر پر انہیں زیادہ مطلع ہونا چاہئے تھا۔ چنانچہ علامہ علی ابن الناصر جو جناب سید رضیؒ کے ہم عصر تھے اور انہی کے دور میں نسخہ ابلاغہ کی شرح ”اعلام نسخہ ابلاغہ“ کے نام سے لکھتے ہیں وہ اس خطبہ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

مَدَحَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ بِحُسْنِ السَّبْرِ، وَأَنَّه مَاتَ قَبْلَ الْفِتْنَةِ الَّتِي وَقَعَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.
حضرت نے اپنے اصحاب میں سے ایک ایسے شخص کو حن سیرت کے ساتھ سراہا ہے کہ جو پیغمبر ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے فتنہ سے پہلے ہی انتقال کر چکا تھا۔^۱

اس کی تائید علامہ قطب الدین راوندی متوفی ۵۷۳ ہجری کی شرح نسخہ ابلاغہ سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن میثم نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

إِنَّمَا أَرَادَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمَنْ مَاتَ قَبْلَ وَقُوعِ الْفِتْنِ وَانْتِشَارِهَا.
حضرت نے اس سے زمانہ پیغمبر کے اپنے ایک ایسے ساتھی کو مراد لیا جو فتنہ کے برپا ہونے اور پھیلنے سے پہلے ہی رحلت کر چکا تھا۔^۲

اگر یہ کلمات حضرت عمر کے متعلق ہوتے اور اس کے متعلق کوئی قابل اعتماد سند ہوتی تو ابن ابی الحدید اس سند و روایت کو درج کرتے اور اس کا ذکر تاریخ میں آتا اور زبانوں پر اس کا چرچا ہوتا، مگر یہاں تو اثبات مدعا کیلئے خود سائنسہ قرآن کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ چنانچہ وہ «حَيُّوْهَا» و «شَوِّوْهَا» کی ضمیر کا مرجع ”خلافت“ کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کلمات ایسے ہی شخص پر صادق آسکتے ہیں جو تسلط و اقتدار رکھتا ہو، کیونکہ اقتدار کے بغیر ناممکن ہے کہ سنت کی ترویج اور بدعت کی روک تھام کی جاسکے۔

^۱ اعلام نسخہ ابلاغہ، ص ۱۹۲۔

^۲ شرح نسخہ ابلاغہ، ابن میثم، ج ۳، ص ۹۷۔

یہ ہے اس دلیل کا خلاصہ جسے اس مقام پر پیش کیا ہے، حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ ضمیر کا مرجع ”خلافت“ ہے، بلکہ وہ ضمیر ”دنیا“ کی طرف راجع ہو سکتی ہے جو سیاق کلام سے مستفاد ہے اور مفاد عامہ کی حفاظت اور ترویج سنت کیلئے اقتدار کی شرط لگانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند کر دینا ہے، حالانکہ خداوند عالم نے شرط اقتدار کے بغیر امت کے ایک گروہ پر یہ فریضہ عائد کیا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور بُرے کاموں سے روکے۔^۱
اسی طرح پیغمبر ﷺ سے مروی ہے کہ:

لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا أَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى.
لوگ جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں گے اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے رہیں گے وہ بھلائی پر باقی رہیں گے۔^۲

یونہی امیر المؤمنین علیہ السلام اپنی ایک وصیت میں عمومیت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ:

أَقْبَبُوا هَذَا الْعَمَلِ الْعَمَلِ وَأَوْقَدُوا هَذَا نَارِ الْمَصْصَابِ حَيْنِ.

توحید اور سنت کے ستونوں کو قائم کرو اور ان دونوں پر انگوٹھوں کو روشن رکھو۔^۳

ان ارشادات میں کہیں بھی اس طرف اشارہ نہیں کہ اس فریضہ کی انجام دہی حکومت و اقتدار کے بغیر نہیں ہو سکتی اور واقعات بھی یہ بتاتے ہیں کہ امر اور مسالطین لشکر و سپاہ اور قوت و طاقت کے باوجود برائیوں کو اس حد تک نہ مٹا سکے اور نیکیوں کو اس قدر رواج نہ دے سکے جس قدر بعض گمنام اور شکستہ حال درویش دل و دماغ پر اپنی روحانیت کا نقش بٹھا کر اخلاقی رفعتوں کو ابھار گئے۔ حالانکہ ان کی پشت پر نہ فوج و سپاہ ہوتی تھی اور نہ بے سرو سامانی کے علاوہ کوئی سرو سامان ہوتا تھا۔ بے شک تسلط و اقتدار سروں کو جھکا سکتا ہے، لیکن ضروری نہیں کہ دلوں میں نیکی کی راہ بھی پیدا کر سکے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بیشتر اسلامی تاجداروں نے اسلامی خدا و خال کو مٹا کر رکھ دیا اور اسلام اپنے بقا و فروغ میں صرف ان بے نواؤں کا مہولہ منت رہا جن کی جھولی میں فقر و نامرادی کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا۔

اگر اسی پر اصرار ہو کہ اس سے صرف ایک حکمران ہی مراد لیا جاسکتا ہے تو کیوں نہ اس سے حضرت کا کوئی ایسا ساتھی مراد لیا جائے جو کسی صوبہ پر حکمران رہ چکا ہو، جیسے حضرت سلمان فارسی جن کی تجہیر و تکفین کیلئے حضرت مدائن تشریف لے گئے اور بعد میں ان کے دفن کرنے کے بعد اپنی زندگی اور آئیں حکمرانی پر تبصرہ فرماتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہوں۔ پھر یہ سمجھنا کہ وہ حضرت عمر ہی کے متعلق الفاظ ہیں بلا دلیل ہی تو ہے۔
(ابن ابی الحدید نے) آخر میں اثباتِ مذہب کیلئے طبری کی اس روایت کو پیش کیا ہے:

^۱ سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۴۔

^۲ تہذیب الاحکام، ج ۶، ص ۱۸۱۔

^۳ نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۳۔

عَنِ الْمُخَيْرَةَ بِنِ شُعْبَةَ، قَالَ: لَمَّا مَاتَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَكَتُهُ ابْنَتُهُ أَبِي حَثْمَةَ، فَقَالَتْ: وَاعْمَرَاهُ! أَقَامَ الْأَوَدَ، وَابْتَرَأَ الْعَمَدَ، آمَاتَ الْفِتَنَ، وَآخِيَا السُّنَنَ، خَرَجَ نَفَقَى الثَّقُوبِ، بَرِيئًا مِنَ الْعَيْبِ. قَالَ: وَقَالَ الْمُخَيْرَةُ بِنِ شُعْبَةَ: لَمَّا دُفِنَ عُمَرُ أَتَيْتُ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَنَا أَحَبُّ آبِ أَسْمَعَ مِنْهُ فِي عُمَرَ شَيْئًا، فَخَرَجَ يَنْفُضُ رَأْسَهُ وَيَلْحِيْتَهُ وَقَدْ اغْتَسَلَ، وَهُوَ مُلْتَحِفٌ بِثَقُوبٍ، لَا يَشْكُ آبُ الْأَمْرِ يَصِيرُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَرْحَمُ اللَّهُ ابْنَ الْحَطَّابِ! لَقَدْ صَدَقَتْ ابْنَتُهُ أَبِي حَثْمَةَ، لَقَدْ ذَهَبَ بِحَيْرِهَا، وَنَجَّى مِنْ شَرِّهَا، أَمَا وَاللَّهِ! مَا قَالَتْ، وَ لَكِنْ قُوْلَتْ.

مغیرہ ابن شعبہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ انتقال کر گئے تو بنت ابی حثمہ نے روتے ہوئے کہا کہ: ہائے عمر! تو وہ تھا جس نے ٹیڑھے بن کو سیدھا کیا، بیماریوں کو دور کیا، فتنوں کو مٹایا اور سنتوں کو زندہ کیا، پاکیزہ دامن اور عیبوں سے بچ کر چل بسا۔ (مورخ طبری کہتے ہیں کہ) مغیرہ نے بیان کیا کہ: جب حضرت عمرؓ دفن ہو گئے تو میں حضرت علیؓ کے پاس آیا اور میں چاہتا تھا کہ آپؓ سے حضرت عمرؓ کے بارے میں کچھ سنوں۔ چنانچہ میرے جانے پر حضرت باہر تشریف لائے اس حالت میں کہ آپؓ غسل فرما کر ایک کپڑے میں لپیٹے ہوئے تھے اور سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو جھٹک رہے تھے اور آپؓ کو اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ خلافت آپؓ ہی کی طرف پلٹے گی۔ اس موقع پر آپؓ نے فرمایا: خدا ابن خطاب پر رحم کرے! بنت ابی حثمہ نے سچ کہا ہے کہ وہ خلافت کے فائدے اٹھا گئے اور بعد میں پیدا ہونے والے فتنوں سے بچ نکلے۔ خدا کی قسم! بنت ابی حثمہ نے کہا نہیں بلکہ اس سے کہلوا گیا ہے۔ (طبری، ج ۳ ص ۲۸۵)

اس واقعہ کا راوی مغیرہ ابن شعبہ ہے جس کا اہم جمیل کے ساتھ فعل بد کا مرتکب ہونا اور شہادت کے باوجود حضرت عمرؓ کا اُسے حد سے بچا لے جانا اور معاویہ کے حکم سے اس کا کوفہ میں علانیہ امیر المؤمنینؓ پر سب و شتم کرنا تاریخی مسلمات میں سے ہے۔ اس بنا پر اس کی روایت کا جو وزن ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے اور پھر درایتاً بھی اس روایت کو قبول نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ مغیرہ کا یہ کہنا کہ امیر المؤمنینؓ کو اپنی خلافت میں کوئی شبہ نہ تھا حقیقت کے خلاف ہے۔ آخر وہ کون سے قرآن تھے جن سے اُس نے یہ اندازہ لگایا؟ جبکہ تاریخی حقائق اس کے سراسر خلاف ہیں اور اگر کسی کی خلافت یقینی تھی تو وہ حضرت عثمانؓ تھے۔ چنانچہ عبدالرحمنؓ ابن عوف نے شوری کے موقع پر امیر المؤمنینؓ سے کہا کہ:

يَا عَلِيُّ! لَا تَجْعَلْ عَلَي نَفْسِكَ سَبِيلًا، فَإِنَّ قَدْ نَظَرْتُ وَ شَاوَرْتُ النَّاسَ، فَإِذَا هُمْ لَا يَعْدِلُونَ بِعُثْمَانَ.

اے علی! تم اپنے لئے ضروری صورت پیدا نہ کرو۔ میں نے دیکھ بھال لیا ہے اور لوگوں سے مشورہ بھی لیا ہے، وہ سب

عثمانؓ کو چاہتے ہیں۔ (طبری، ج ۳ ص ۲۹۷)

چنانچہ حضرت عثمانؓ کو خلافت کے نہ ملنے کا پورا یقین تھا، جیسا کہ خطبہ شتقیہ کے ذیل میں تاریخ طبری سے نقل کیا جا چکا ہے کہ امیر المؤمنینؓ نے ارکان شوری کے نام دیکھتے ہی عباسؓ ابن عبدالمطلب سے فرما دیا تھا کہ: خلافت عثمانؓ کے علاوہ کسی اور کو نہیں مل سکتی، کیونکہ تمام

اختیارات عبد الرحمن کو سوچ دیے گئے ہیں اور وہ عثمان کے بہنوئی ہوتے ہیں اور سعد ابن ابی وقاص، عبد الرحمن کے عزیز و ہم قبیلہ ہیں اور یہ دونوں مل کر خلافت انہی کو دیں گے۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا جذبہ تھا جس نے مغیرہ کے دل میں یہ تڑپ پیدا کی کہ وہ حضرت عمر کے متعلق امیر المؤمنین علیہ السلام سے کچھ کہلوائے؟ اگر وہ یہ جانتا تھا کہ حضرت ان کے متعلق اچھے خیالات رکھتے ہیں تو ان کے تاثرات کا بھی اندازہ ہو سکتا تھا اور اگر یہ سمجھتا تھا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام ان کے متعلق حسن ظن نہیں رکھتے تو پوچھنے کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا کہ آپ جو کچھ فرمائیں اسے اُچھال کر فضا کو ان کے خلاف اور ارکان شوریٰ کو ان سے بد ظن کیا جائے اور ارکان شوریٰ کے نظریات تو اسی سے ظاہر ہیں کہ وہ انتخاب خلافت میں سیرت شیخین کی پابندی لگا کر شیخین سے اپنی عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان حالات میں جب مغیرہ نے یہ سازش کرنا چاہی تو آپ نے حکایت واقعہ کے طور پر یہ فرمایا: «لَقَدْ ذَهَبَ بِحَبْرِهَا، وَنَجَّاهُ مِنْ شَرِّهَا»۔ اس جملہ کو مدح و توصیف سے کوئی لگاؤ نہیں۔ یقیناً وہ اپنے دور میں ہر طرح کے فائدے اٹھاتے رہے اور بعد میں پیدا ہونے والے فتنوں سے ان کا دور خالی رہا۔

ابن ابی الحدید اس روایت کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

وَهَذَا كَمَا تَرَى يَقْوَى الظَّنُّ أَنْ الْمُرَادَ وَالْمَعْنَى بِالْكَلامِ لَأَنَّهَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ.

اس روایت سے یہ ظن قوی ہو جاتا ہے کہ اس کلام سے مراد مقصود عمر ابن خطاب ہیں۔^۱

اگر اس کلام سے وہ کلمات مراد ہیں جو بنت ابی حثمہ نے کہے ہیں کہ جن کے متعلق امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا کہ: یہ اس کے دل کی آواز نہیں بلکہ اس سے کہلوائے گئے ہیں تو بیشک اس سے حضرت عمر مراد ہیں۔ لیکن یہ کہ یہ الفاظ امیر المؤمنین علیہ السلام نے ان کی مدح میں کہے ہیں تو یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس روایت سے تو صراحتاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بنت ابی حثمہ نے کہے تھے۔ خدا جانے کس بنا پر بنت ابی حثمہ کے الفاظ کو درج کر کے یہ دعویٰ کرنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ یہ الفاظ امیر المؤمنین علیہ السلام نے حضرت عمر کے بارے میں کہے ہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے کسی موقع پر یہ الفاظ کسی کے متعلق کہے ہوں گے اور بنت ابی حثمہ نے حضرت عمر کے انتقال پر ان سے ملنے جلتے ہوئے الفاظ کہے تو حضرت علی علیہ السلام کے کلمات کو بھی حضرت عمر کی مدح میں سمجھ لیا گیا، ورنہ عقل اعتراف کے علاوہ کوئی عقل یہ تجویز نہیں کر سکتی کہ بنت ابی حثمہ کے کہے ہوئے الفاظ کو اس کی دلیل قرار دیا جائے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے حضرت عمر کی مدح میں یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ کیا خطبہ شمشقہ کی تصریحات کے بعد یہ توقع ہو سکتی ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایسے الفاظ کہے ہوں گے۔ اور پھر غلط بات یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ حضرت عمر کی رحلت کے موقع پر فرمائے ہوتے تو جب آپ شوریٰ کے موقع پر علانیہ سیرت شیخین کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں تو آپ سے یہ نہیں کہا جاتا کہ گل تو آپ یہ فرما رہے تھے کہ انہوں نے سنت کو قائم کیا اور بدعت کو مٹایا تو جب ان کی سیرت سنت سے ہمنوا ہے تو پھر سنت کو تسلیم کرنے کے بعد سیرت سے انکار کرنے کے کیا معنی ہوتے ہیں؟!۔

☆☆☆☆☆